Oriental College Magazine, Vol.99, No. 04, Serial No. 374, 2024

اکیسویں صدی کے نسائی اُردو ناول پر عالمگیریت کے اثرات

عظمیٰ نورین
لیکچرار اُردو، گورنمنٹ ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
محسن خالد محسن
لیکچرار اُردو، گورنمنٹ شاہ حسین گریجوایٹ کالج، لاہور

EFFECTS OF GLOBALIZATIONON FEMINIST URDU NOVELS OF THE 21ST CENTURY

Uzma Noreen
Lecturer in Urdu
Govt. Women University, Sialkot

Mohsin Khalid Mohsin
Lecturer in Urdu
Govt. Shah Hussain Graduate College, Lahore

Abstract

In Urdu literature, the creative and critical expression of feminine literature has been in all genres, but the genre that has given special importance to this subject is the novel. If we look at Urdu novels in the 21st century from a thematic point of view, the aspect of feminism. It has been receiving more attention than other issues and topics. This paper offers a diverse analysis of the impact of globalization on the 21st century feminist Urdu novel, which will give the reader an opportunity to form an opinion on the various aspects of femininity among Pakistani women novelists and to know how women novelists. They look at the subject of feminism and have established their own unique point of view about it.

Keywords:
Globalization, Feminism, Patriarchy, Intolerance, Terrorism, Authoritarianism, Women's march, Moral decline

اکیسویں صدی تک آتے آتے اردو ناول قریباً ۱۵۰ برس سے زائد عرصہ گزار چکا ہے۔ اس دوران میں ناول کی صنف نے سیاسی و سماجی سطح پر کئی عالمگیر اور مقامی اثرات کو دیکھا اور اس سے متصل گراں قدر سرمائے کو اپنے قلب میں محفوظ بھی کیا ہے۔ بیسویں صدی کے اواخر کا زمانہ ایک ہیجان انگیز سیاسی انتشار اور تہذیبی تنزل کا دور تھا جس میں مقامی سیاست میں اکھاڑ پچھاڑ کا سبب بیرونی یعنی عالمگیر طاقتوں کے زیر اثر بری طرح کار فرما تھا۔

بیسویں صدی کے اواخر میں امریکہ بہادر نے اپنے حریفوں کو اچھی طرح دھول چٹائی اور ایشیا کے خطے کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ روس کے ٹوٹنے کے عمل سے لے کر پاکستانی سیاست پر آمر کے قابض ہونے تک پاکستانی سماج مختلف نزاعی دھاروں میں سفر کر تا رہا۔

اس دوران میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والی معاشی، سیاسی، تہذیبی، سماجی، اقتصادی اور اخلاقی تبدیلیوں نے اردو ناول کے بیانیے کو متاثر کیا اور اس کے اُسلوب میں بھی جدت کے ساتھ ساتھ نئی معنویت کا مصنوعی دور بھی اپنے ساتھ جملہ ادب کے موضوعات کو جدیدیت، مابعد جدیدیت، لسانیات، ساختیات، پس ساختیات جیسی تھوری سے متاثر و متعارف کراتا دکھائی دیتا ہے۔

بیسویں صدی کا اختتام ہوا اور اکیسویں صدی نے آنکھ کھولی۔ اس کی نگاہیں وا ہوتے ہی اسے ۹/۱۱ کے سانحے نے پوری طرح ہلا کر رکھ دیا۔ پاکستانی سیاست میں ایک آمر کے مسلط ہونے کے بعد ہر چیز میں ایک جمود کی کیفیت طاری تھی اور شعرا و ادبا میں یہ جرات نہ تھی کہ صاحبِ اختیار کے خلاف کچھ لکھا جاتا تاہم ۲۰۰۵ کے زلزلہ کے بعد صورتحال یکسر تبدیل ہو گئی۔

۲۰۰۸ میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے ہنگامہ پرور آغاز کے ساتھ ملک دیوالیہ ہوا اور آئی ایم ایف کے آگے گھٹنے ٹیک کر ہم نے اپنی خود مختاری اور ملکی سالمیت کو گروی رکھ دیا۔ یہ سب احوال اردو ناول کے موضوعات کا حصہ بنے۔ ان موضوعات میں سب سے زیادہ جس تصور نے اردو ناول کو متاثر کیا وہ "عالمگیریت" کا تصور ہے یعنی اردو ناول پر گلوبلائزیشن کے اثرات کا معاملہ جس کا محاکمہ کرنا سہل نہیں ہے۔

عالمگیریت کیا ہے، اس سے کیا مراد ہے اور اس تصور نے اردو ناول سمیت اردو ادب کی جملہ اصناف کو کس طرح متاثر کیا اور اپنے اثرات مرتب کیے، اس کا مختصر ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

عالمگیریت کا لفظ انگریزی لفظ گلوبلائزیشن کا ترجمہ ہے۔ اس سے مراد عصرِ حاضر کا وہ جدید دور ہے جو معاشی اور سماجیاتی نظام کا پروردہ ہے۔ اس نظام کے تحت دنیا ایک پلیٹ فارم پر یکساں طرزِ حیات کے

قانون کے تحت زیست کرتی ہوئی آگے قدم بڑھاتی دکھائی دیتی ہے۔

عالمگیریت کے تصور سے انسانی زندگی نے ایک نئے عہد میں دخیل ہونے کی کوشش کی جس میں پوری دنیا کی اپنی کوئی انفرادی شناخت نہیں ہے، رسم ورواج اور ثقافت کے نقوش مٹا کر ایک گاؤں میں بسنے والے باسیوں کی طرح سب کے سب ایک ہیں اور ایک ہی طرح کی زندگی گزارتے ہیں۔

اس تصور کے بارے میں ماہرین نے مختلف انداز میں اپنی آرا کا اظہار کیا ہے جن کی مدد سے عالمگیریت کے تصور کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اردو زبان میں عالمگیریت کے بارے میں لغات میں اس طرح کی ابتدائی معلومات ملتی ہے:

"جہان کو لینے اور فتح کرنے والا بادشاہ عظیم الشان جو تمام عالم میں چھایا ہوا ہو"۔(۱)

یاسر جواد (پ:۱۹۷۱) نے ورلڈ ٹرینڈ سنٹر نے عالمگیریت کے تصور کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"عالمگیریت دُنیا کے ممالک کے درمیان اس اقتصادی تنظیم کا نام ہے جو پروڈکٹ اور سروسز کے تبادلے میں اضافے کی وجہ سے بنتا ہے اور اس کے نتیجے میں متعلقہ ممالک کی آمدنی و تشخص میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں تیزی کے ساتھ ٹیکنالوجی کو فروغ ملتا ہے۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد کسٹم اور جغرافیائی حدود کو ختم کرنا اور پوری دنیا کو ایک عالمی منڈی میں تبدیل کرنا ہے"۔(۲)

مذکورہ بالا تعریفات سے عالمگیریت کے بارے میں اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عالمگیریت اصل میں ایک اقتصاد پرست سیاسی، ثقافتی اور نظریاتی تنظیم ہے جس کا مقصد پوری دنیا کی صنعت و حرفت کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان پر حکومت کرنا اور ان کے ذریعے پوری دنیا کی معیشت کو کنٹرول کرتے ہوئے انسانوں کے مابین ایک ہم آہنگی اور فلسفیانہ یگانگت کی راہ ہموار کرنا ہے۔

عالمگیریت کی اس اقتصادی تنظیم نے بظاہر دنیا کی خدمت کے لیے یہ تحریک شروع کی تھی لیکن اس کے درپردہ اسباب کچھ اور تھے جو اب ہمارے سامنے ہیں اور ان کی حقیقت سے ہم پوری طرح آگاہ ہیں۔

عالمگیریت بطور تحریک یا تصور کا آغاز اُس وقت ہوا جب جنگِ عظیم دوم کے بعد امریکہ دنیا کے نقشے پر بہ حیثیت طاقتور اقتصادی رکن کے سامنے آیا اور اس نے برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کو اپنی چالاک ذہنی فطرت سے پسپا کر دیا۔ مغربی مفکر پیٹر مارٹن بحوالہ یاسر جواد عالمگیریت کے آغاز کے بارے میں لکھتا ہے:

"عالمگیریت کے نفاذ کا آغاز اُسی دن ہو گیا تھا جب ۱۹۹۵ میں روسی صدر گوریا چیوف نے امریکی شہر سان فرانسسکو کے مشہور ہوٹل میں پانچ سو افراد کو دعوت دی تھی جس میں ہر مکتبہ فکر کے جید حاذقین کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس بند کمرے میٹنگ کے اجلاس میں اکیسویں صدی میں داخل ہونے کی راہ ہموار کی گئی کہ کس طرح ہم دنیا کو اپنی مٹھی میں کر سکتے ہیں اور ان کی معیشت پر اپنا تسلط جما سکتے ہیں"(۳)

جدیدیت ،مابعد جدیدیت اور عالمگیریت کے حوالے سے ناصر عباس نیّر نے اردو میں بنیادی نوعیت کا کام کیا ہے۔ڈاکٹر ناصر عباس(پ:۱۹۶۵ء)لکھتے ہیں:

"عالمگیریت کا عہدِ زریں روشن خیالی کے زمانے میں شروع ہوا جب یورپی اقوام نے اپنی سائنسی تحقیقات کی بنیاد نو آبادیاتی تصور کے احیا پر رکھی۔ اس نظام کو صنعتی انقلاب نے مستحکم کیا اور یورپی اقوام نے مشرق وسطیٰ ،ایشیا اور افریقا کے کئی ممالک کو اپنی نو آبادیوں میں شامل کر لیا"۔(۴)

اس نظام کے احیا کے لیے دنیا بھر کے سرمایہ دار ممالک ایک جگہ جمع ہوئے اور انھوں نے اپنے زیر اثر ملکوں اور ان کے مخصوص سٹرائیک والے خطوں پر قبضہ جمایا۔اس معاملے میں WTO, GAT, UNO نے اہم کردار ادا کیا۔عالمگیریت کے تصور نے جہاں پوری دنیا کے تصوراتِ زر کو تبدیل کیا وہاں نظامِ معیشت کے رائج اصولوں کو بھی پس پشت ڈال کر نئے سرے سے دنیا کے اقتصادی بازار کے ساتھ لین دین اور ساجھے داری کے معاملات طے پائے۔

عالمگیریت کا سب سے زیادہ فائدہ ترقی یافتہ ممالک کو ہوا اور سب سے زیادہ مالیاتی نقصان ان کے زیر اثر ممالک کو ہوا جو اپنی ملکی سالمیت اور خارجہ پالیسی کے استحکام کو زیادہ دیر بچا نہ سکے اور سیاست دانوں، وڈیروں، جاگیر داروں اور بدمعاش اشرافیہ کے ہاتھوں BANK IMF,WORLD BANK,ASIA کی جھولی میں خود کو ڈال کر ہمیشہ کے لیے ان کے غلام بن گئے۔

اکیسویں صدی کا زمانہ اب سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے۔ دنیا سمٹ کر ایک کلک پر آ گئی ہے۔ اب پتھروں کا دور نہیں رہا۔ اب پہیے کی ایجاد پر غرانے کی ضرورت نہ رہی۔ اب جہاز اور ٹینک سے مار گرانے کا وقت بھی گزر چکا۔ اب چیٹ جی پی ٹی اور ففتھ جنریشن وار کا دور ہے جس میں مصنوعی ذہانت نے دنیا کو اپنے خود کار دماغ کے زیرِ اثر کر لیا ہے۔

پاکستان ایسے ملک میں کہ جہالت جس کا تعارف ہے اور لوٹ مار جس کا فخر ہے وہاں عالمگیریت کے مثبت اثرات سے کیا ہو گا۔ پاکستان ایک تھرڈ ورلڈ ملک ہے جس کی اپنی کوئی خارجہ پالیسی نہیں ہے نہ کوئی ایجنڈانہ نظریہ اور نہ دنیا سے ٹکر لینے کا حوصلہ۔

یہ ہر سال آئی ایم ایف کے پاس جاتا ہے اور بھیک لے کر ملک کو گروی رکھ آجاتا ہے اور عوام کو بے وقوف بنائے رکھنے کا فن یہاں کے سیاست دانوں، وڈیروں، جاگیر داروں، اشرافیہ اور فوجی کرداروں کو بہت خوب آتا ہے۔ اکیسویں صدی کے اردو ادب میں جہاں دنیا کا ادب خلاؤں اور نئے جہانوں کے حصول کی کوشش مین سرگرداں ہے وہاں ہم ابھی تک نو آبادیاتی نظام کے کیڑے نکال رہے ہیں اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ آم شریعت میں جائز ہے یا نہیں، الف سے پہلے الف ممدودہ آتا ہے کہ الف مکسورہ۔ حنا جمشید لکھتی (پ:۱۹۸۶ء) ہیں:

> " بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں نمایاں ہوتی برق رفتار عالمگیریت نے کثیر الملکی کمپنیوں کے ساتھ سرمائے کا ایسا جال پھیلایا ہے جس سے تھرڈ ورلڈ کے ممالک انتہائی پستی میں چلے گئ اور ان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہونے سے قاصر ہیں۔ عالمگیریت نے کلاس سسٹم میں پھنسے ہوئے معاشرے کو قدرتی و معدنی وسائل سے نہ صرف محروم کیا بلکہ بھوک، افلاس اور خود ساختہ جنگی جنون سے زندگی کا نظام درہم برہم کر دیا ہے"۔(۵)

عالمگیریت کا تعلق صرف مالیات یعنی معیشت کے نظام تک محدود نہیں بلکہ اس نے سیاست سے لے کر تہذیب، تمدن، ثقافت، اخلاق اور خانگی زندگی کے جملہ معاملات کو بھی ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔ عالمگیریت کے اس چنگل سے نکلنا اب آسان نہیں ہے۔

کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور آرٹی فیشل انٹیلی جینس کی بڑھتی ہوئی افادیت اور رسوخ کی وجہ سے ہم جیسے تھرڈورلڈ ملکوں کو سوچنا ہو گا کہ کس طرح اس طاقت ور نظام کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے آگے پل باندھنے کی بجائے اسی پانی کو اپنے بہاؤ میں شامل کر لیا جائے۔

اُردو ناول کی روایت کا زرخیز دور ابھی گزرا نہیں۔ گزشتہ ادوار میں سینکڑوں ایسے ناول لکھے گئے جن میں اقتصادی معاملات کے حوالے سے ناول نگاروں نے اپنا نکتہ نظر پیش کیا۔ امسال سلمیٰ اعوان (پ:۱۹۴۳ء) کا شائع ہونے والا ناول لہو رنگ فلسیطن عالمگیریت کے تناظر میں لکھا ہوا ناول ہے جس میں مصنفہ نے کھل کر اس ناسور اور ناقابلِ گرفت جن کے بارے میں خدشات کا اظہار کیا ہے کہ

کس طرح پاکستانی معیشت اور اس کے تشخص کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے اور مذہب کی سیاسی دہشت گردی سے اس کے باسیوں کو غفلت میں دانستاً رکھا ہوا ہے۔

اُردو ناول پر عالمگیریت کے اثرات بیسویں صدی کے اواخر میں پڑنا شروع ہو گئے تھے۔ پریم چند(۱۸۸۰۔۱۹۳۶ء) نے تو بیسویں صدی کے اوائل میں اس تصور پر گئودان جیسا ضخیم ناول لکھ کر اس کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنے عہد کے سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیرداروں کے تسلط میں پسی ہوئی غریب انسانیت پر ہونے والے ظلم و جبر کو کمال فنکاری کے ساتھ اس ناول میں سمویا تھا جب عالمگیریت کا تصور بھی نہ تھا۔

اُردو ادب کے ادیب اور شعرا اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور دنیا کے اشغالِ مکروہ سے ہم پر کیا عذاب ٹوٹنے والے ہیں۔ پریم چند سے لے کر انتظار حسین(۱۹۲۳۔۲۰۱۶ء) تک اور ان سے آگے بانو قدسیہ(۱۹۲۸۔۲۰۱۷ء) اور ممتاز مفتی(۱۹۰۵۔۱۹۹۵ء) تک یہ سلسلہ برابر نظر آتا ہے۔ عبد الستار نیازی(پ:۱۹۶۸ء) لکھتے ہیں:

> " ہمارے اردو کے ادیبوں نے بدیسی ادب کے تراجم کیے۔ اس ادب میں جن انسانی، تہذیبی، معاشرتی اور معاشی رویوں پر روشنی ڈالی۔ اردو کے کم و بیش تمام ادبا نے ان اقدار پر مشرقیت کا رنگ و روغن چسپاں کرنے کی کوشش کی اس کے باوجود عالمگیریت کے منفی کردار کو پس پشت ڈالنا ان کے بس کی بات نہ رہی۔"(۶)

دُنیا اس وقت کسی اور ہی تناظر میں کھیل کھیل رہی ہے اور پاکستانی کچھ اور ہی رنگ لیلا کے شیدا دکھائی دیتے ہیں۔ اب یہ ممکن نہیں کہ ہمارے معاشرے پر اور سماج پر اور تہذیب کے جملہ عناصر پر عالمگیریت کے اثرات مرتب نہ ہوں اور ہم اس کے اثر سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ دنیا بہت آگے کا سوچتی ہے اور ہم ماضی پرست ارتغرل کے ڈراموں میں اپنے ماضی کو دیکھ کر خرگوش کی نیند سو رہے ہیں۔ محمد ساجد (پ۱۹۸۹ء:) نے لکھا ہے:

> "ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ گلوبل ویلج نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جہاد اور دہشت گردی کی اصطلاحیں سامنے آئیں ،لسانی اور تہذیبی تصادم ہوئے، مسلمانوں کی الگ شناخت ٹھہری، یہ سب کچھ یہاں تک شانت نہیں ہوا بلکہ طاقت

کے نشے میں امریکہ بہادر نے پاکستان کی مدد سے افغانستان اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا
دی"(۷)

نیلم احمد بشیر (پ:۱۹۵۰ء) کے ناول طاؤس فقط رنگ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر نائن الیون کے حادثے کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال اور امریکہ اور دیگر ممالک میں رہائش پذیر مسلمان پاکستانیوں پر مرتب ہونے والے منفی اثرات کے پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے اکیسویں صدی کے امریکہ کے تاریک پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جس کی جسارت کم مشرقی ادیبوں میں بہت کم ہوتی ہے۔

ناول کے دو اہم کردار مراد اور ڈیلائلہ نے امریکہ میں ہی پرورش پائی۔ دونوں کردار اپنے خاندان کی وجہ سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہیں۔ نیلم احمد بشیر نے ان کے نفسیاتی مسائل کی لفظی تصویر کشی بہت عمدہ انداز میں کی ہے۔ ڈیلائلہ مرد اور مراد عورت کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتے۔ جنس دونوں کی کمزوری اور ضرورت ہے اور یہی کمزوری دیگر نفسیاتی سماجی عوارض کو جنم دیتی ہے۔

ناول کی ابتدا میں جب ڈیلائلہ کی ملاقات مراد سے ہوتی ہے تو وہ اس کی جوانی اور شکل وصورت کے حسن کے سحر میں مبتلا ہو جاتی ہے لیکن جب اسے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ مراد شیری سے عشق کرتا ہے تو وہ بے چین ہو جاتی ہے۔ اس کی محبت کی حرارت آہستہ آہستہ حسد کی چنگاری بن جاتی ہے اور اسی دوران نشہ آور گولیاں کھا کھا کر اس کی شخصیت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ کبھی وہ محبت کی دیوی بن جاتی ہے تو کبھی نفرت کی چڑیل بن کر سامنے آتی ہے۔

نیلم احمد بشیر نے مردوں کی جبلی و نفسی تقاضوں کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش میں مشکل پسندی سے گریز کیا ہے ان کے ہاں محبت کا فلسفہ جسمانی اور جذباتی قربت سے وابستہ ہے۔ وہ ازدواجی تعلقات اور جنسی عمل کے دوران مردوں کی فطرت کے الگ الگ زاویے اور نسائی احساس کے بعض حساس پہلوؤں کو موضوع بناتی ہیں۔ منو بھائی (۱۹۳۳ـ۲۰۱۸ء) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ غیر ملکوں میں ہوش سنبھالنے والی لڑکی اپنے معاشرے اور اپنے آس پاس کی کچھ ایسی کمینی اور حرام زدگی کی باتیں جانتی ہے، دیکھتی ہے ذہن میں محفوظ کر لیتی ہے، پلے باندھ لیتی ہے اور پھر ان باتوں کو اپنی پیاری زبان میں اور اتنے سوہنے انداز میں کچھ ننگی کر کے اور کچھ ڈھانپ کر بیان کر سکتی ہے کہ ننگی بات ننگی اور ڈھانپی بات بالکل ہی اوجھل ہو جائے"۔(۸)

اُردو ادب میں نائن الیون کے سانحے کے بعد دنیا میں کہیں چھینک بھی آتی ہے تو اس کا اثر پاکستان کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ پاکستان کی سیاست اور سیاسی مہرہ کاروں نے امریکہ بہادر کے آگے گھٹنے ٹیک کر ہمیں دہشت گردی کی جس جنگ میں مبتلا کیا اس میں لاکھوں جانیں گنوا کر ہم ڈالر اکٹھا کرنے کی دوڑ میں دولے شاہ کے چوہے بنے ہوئے ہیں لیکن دنیا کی بڑھتی ہوئی کساد بازاری اور بین الاقوامی تجارت میں کچھ بر آمد کرنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے در آمد کرنے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے جاتے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا۔

اکیسویں صدی کے نسائی اردو ناول میں ایک سے بڑھ کر ایک ناول منظر عام پر آیا جس میں عورتوں کی طرف سے عالمگیریت کے تصور پر لکھا گیا بلکہ احتجاج کیا گیا کہ اب ہمیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے آپ کو اس قابل بنانا ہے کہ کوئی ہمیں بھیک دینے کی بجائے ہم سے کاروبار کرے اور ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھے۔

اس حوالے سے بانو قدسیہ (۱۹۲۸ـ۲۰۱۷ء) کا ناول حاصل گھاٹ دیکھا جا سکتا ہے۔ بانو قدسیہ نے جہاں خانگی مسائل کے حوالے سے لکھا اور عورت کی ناموس اور حرمت سے متصل خدشات کی تحلیل کے لیے لکھا وہیں اس نے اپنے ناول اور افسانوں میں بین الاقوامی سطح ہونے رونما ہونے والے بدلاؤ اور تحکم کو بھی اپنے کرداروں کے ذریعے اجاگر کیا۔

الطاف فاطمہ (۱۹۲۷ـ۲۰۱۷ء) کے ہاں عالمگیریت کا تصور اگرچہ دھند میں لپٹا ہوا محسوس ہوتا ہے تاہم انھوں نے اپنے افسانوی ادب میں ان پرچھائیوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ الطاف فاطمہ کے ناول نشانِ منزل میں تصورِ عالمگیریت کو براہ راست دیکھا جا سکتا ہے۔

الطاف فاطمہ کی زندگی اس طرح سے گزری کہ انھوں نے ملازمت سے لے کر قلم کاری تک ہر دور کے سانحات کو اپنے بدن پر سہا اور ایک طویل مدت عمر کی کنوارپنے میں گزاری۔ یہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ایک ملک کی ذمہ دار خاتون کس طرح دُنیا کا مقابلہ کر سکتی ہے اور اس کے نسائی تصورات پر سماج کے عالمگیر رجحان کا غلبہ کس نوع اور انداز سے حملہ آور ہوتا ہے اور اس کی کمزور آواز کو دباتا ہے۔ ان کے ناول "نشانِ منزل" سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں نسائیت اور عالمگیریت کا حسین امتزاج مدغم صورت میں ڈھلا ہوا دکھائی دیتا ہے:

"عورت کے اندر جب ماں بیدار ہوتی ہے تو ہر دوسرے احساس سے عاری ہو جاتی ہے۔ نادر کو وہ ہر روز خطوں اور تار سے اس کی صحت کی اطلاع دیتی رہی۔ نادر کا وہاں ٹھہرنا بہت ضروری تھا۔ ایک جمے جمائے گھر کی ویرانی اور اس کو بند کرنا مشکل تھا۔ بنک اور زمین کے کاغذات کی دیکھ بھال اور بلوں کی ادائیگی، نوکروں کی علاحدگی وغیرہ آسان کام نہ تھے۔"(۹)

بانو قدسیہ خواتین ناول نگاروں میں ایک معتبر مقام کی حامل ہیں۔ ان کا فکشن ہر اعتبار سے معیار کے تمام اصولوں پر پورا اُترتا ہے۔ بانو قدسیہ نے قرۃ العین(۱۹۲۶۔۲۰۰۷ء)، عصمت چغتائی (۱۹۱۵۔۱۹۹۱ء)، جیلانی بانو(۱۹۳۶۔۲۰۰۹ء)، واجدہ تبسم (۱۹۳۵۔۲۰۱۱ء) اور ذکیہ مشہدی (۱۹۴۴۔۲۰۱۹ء) کے بعد پہلی بار نسائیت کے تصور کو از سر نو زندہ کیا۔ ان کی تحریروں میں جس طرح عورت کے وجود اور اس کے تشخص کا عکس جھلکتا ہے وہ ان کی ہم عصر لکھنے والیوں میں بہت کم نظر آتا ہے۔

بانو قدسیہ نے افسانے میں عورت کی شخصیت کو نسائی پس منظر میں سینکڑوں کرداروں میں پیش کیا اور اس کے جداگانہ تشخص کے امتیاز کو انفرادیت بخشنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے ناولوں میں راجا گدھ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی جس میں انھوں نے سماج کے گندے کیڑوں کے شریفانہ ملبوس کو چاک کر کے ان کی اصلیت کو واضح کرنے کا جہاد کیا۔

ان کے ناولوں میں حاصل گھاٹ ناول بھی خاصے کی چیز ہے جس میں انھوں مہجری صورتحال میں گھری عورت کو سہارا دینے کی کوشش کی۔ بانو قدسیہ نسائی تحریک کی روح رواں ہیں انھوں نے ڈراما باز خواتین کی طرح سڑکوں پر آکر عورت مارچ کے نام پر بہ حیثیت عورت شہرت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنی تحریروں کے ذریعے سے بنت حوا کو ان کا مقام دلانے کی کوشش کی ہے۔

ان کا ناولٹ موم کی گلیاں نسائی لب ولہجے کی توانا آواز ہے جس میں انھوں نے عالمگیریت کے جن کی کرتوت کے اصیل مرقعے بھی پیش کیے ہیں اور مالیاتی کساد بازاری کے منافقانہ چہروں کی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"اب جان بچا کر لوٹ آنے والوں پر گھر کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اگر موت انھیں راہ میں نہیں ملتی تو گھر کے پاسبانوں کے ہاتھ انھیں زندگی گنوانا پڑتی ہے کیوں کہ نئی پود کے لیے خود ملکہ کے لیے یہ نرگس اب بالکل بیکار چیز ہے۔ چھتہ سب کچھ برداشت کر لیتا ہے لیکن

یہاں کا فقط ایک آئین ہے سب کچھ مستقبل کے لیے ہو۔ ہر مکھی گروہ کے لیے جیے اور جب ان عاشقوں کی ضرورت نہیں رہتی تو کار کن مکھیاں مل کر انھیں ختم کر دیتی ہیں۔ اسی طرح وہی ہاتھ جنھوں نے انھیں پروان چڑھایا ہوتا ہے، ان کی موت کا سامان بنتے ہیں"۔(۱۰)

اکیسویں صدی کے منظر نامے پر عالمگیریت کے سماجی اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تصور بیسویں صدی کے اختتام میں مغربی حلقوں میں متعارف ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دُنیا اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ روس یوکرائن، اسرائیل غزہ وار کے بعد کی صورتحال نے اب فارورڈ بلاک کے ذریعے دنیا کو اس کساد بازاری کے الجھے دشت سے نکالنے کی ایک مزید کھائی فراہم کی ہے کہ اس میں کود کر خود کشی کر لیں۔

یہ کھائی روس، ملائشیا، بھارت، پاکستان، چائنہ، ایران، سعودی عرب سمیت پچیس ممالک کے درمیان بننے جارہی ہے اور کہا جارہا ہے کہ امریکہ کا غرور توڑنے اور اس کی عالمی معیشت پر اجارہ داری ختم کرنے کے لیے یہ منصوبہ بندی ہو رہی ہے۔ دیکھتے ہیں پاکستان پر اس پڑوسی عالمگیریت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سلمیٰ اعوان ایک سفر نامہ نگار ہیں۔ یہ دُنیا بھر کا سفر کرنے کی خواہش رکھتی ہیں اور بہت سے ممالک میں جا چکی ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں حقیقت کا رنگ زیادہ ہوتا ہے ان کے افسانوں اور ناولوں میں بھی حقیقت کی عکاسی زیادہ ملتی ہے۔ انھوں نے عالمی جبر کو خود امریکہ میں مقیم رہ کر دیکھا ہے۔

ان کے ناول "لہو رنگ فلسطین" میں امریکیوں اور اسرائیلوں کی باہمی مفاہمت اور مفاد کی کہانی خوبصورت انداز میں بیان کی گئی ہے۔ مصنفہ نے یہ بتایا ہے کہ کس طرح ترقی یافتہ ممالک اپنے زیرِ اثر ملکوں کو معیشت کے تنزل میں مبتلا کر کے ان کی جداگانہ ساکھ اور شناخت کو گرد آلود کرتے ہیں اور ورلڈ بینک، آئی ایم ایف کے ساتھ مل کر اس طرح کی پالیسیاں بناتے ہیں جن سے یہ ملک ان کے آگے کھڑے ہونے کی طاقت نہ پکڑ سکیں اور ان کے معدنی و قدرتی وسائل پر ان کا قبضہ رہے اور یہ زندگی کو چلا سکیں، اور یہ تڑپیں، سسکیں اور اپنی بد قسمتی کا نوحہ الاپتے رہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"ہمارے بیچارے عام دیسیوں کا تو یہ حال ہے کہ آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے۔ یہ کم بخت سیاست دانوں کے چنگل سے نکلے تو کمیونسٹ باگڑ بلوں کے ہتھے چڑھے۔ مارکسزکا پرچار کرنے والوں کے شغل سے متاثر ہوئے تو افغانیوں سے اسلحہ کی خریداری میں زور آزمائی کرنے لگے۔ یہ کیا جانیں کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور یہ ابھی تک غلیل سے فاختہ

مارنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ادھر اسرائیلی فلسطین کی شہ رگ پر پنجے گاڑے پکار رہے ہیں کہ کس میں ہمت ہے کہ وہ ہم سے دو دو ہاتھ کرے۔"(۱۱)

زاہدہ حنا(پ:۱۹۴۶ء) نے نسائی ادب پر جس انداز میں قلم اُٹھایا ہے یہ ان کی دیدہ دلیری اور ہمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں، ناولوں اور کالموں میں حقِ نسواں کے لیے گراں قدر لکھا اور ان کی تحریروں میں ایک عورت کی تکلیف کا سچ براہ راست نظر آتا ہے۔

انھوں نے صحافت کے میدان میں رہ کر ادب کی خدمت کی ہے۔ سیاسی اور عالمی منظر نامے پر ان کی گہری نظر ہے انھوں نے گزشتہ پچاس دہائیوں میں جن موضوعات پر لکھا انھیں ممنوعہ سمجھ کر کسی میں ہاتھ لگانے کی جرات نہ تھی۔ زاہدہ حنا عالمی مالیاتی کساد بازاری کی منافقانہ روش اور عالمگیریت کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> " بیسویں صدی کے نصف تک پہنچے پہنچتے قحط، جنگیں، فسادات اور انسان کے انسانوں پر توڑے ظلم نے برصغیر کی مجموعی حالت کو دگر گوں کر ڈالا۔ برصغیر میں پے در پے تقسیم کے ہنگامہ پرور تسلسل نے اس کی تہذیبی، معاشرتی اور معاشی توازن کو بری طرح نقصان پہنچایا۔ جاگیر داری، غیر ملکی تسلط، بیروز گاری اور بھوک نے ہماری خاندانی نظام کی جڑیں ہلا دیں اور اب عالمگیریت کی وبا نے رہی سہی کسر نکال دی ہے کہ ملک کا آئین اپنے محافظوں کو تختہ دار پر لٹکا تا نظر آتا ہے اور چند ٹکوں کے عوض عورتوں کو اغیار کے حوالے کر تا دکھائی دیتا ہے۔ خواتین ادیبوں کی منافقانہ لیپا پوتی سے میں شدید اختلاف کرتی ہوں جو یہ کہتی ہیں کہ ہم سب امن سے ہیں اور ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں۔ انھیں علم ہی نہیں کہ ہم نے کیا بھوگا ہے اور کیا کاٹ رہے ہیں"۔(۱۲)

زاہدہ حنا نے اپنی کہانیوں اور ناول کے کرداروں میں نسائی شعور کے حوالے سے وقیع کام کیا ہے۔ ان کے کردار مصنوعی اور جز وقتی نہیں ہوتے بلکہ ان کی سچائی اور صداقت کا مظہر ان کی کہانی کے بیانیے میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

زاہدہ نے اپنے ہم عصر خواتین ناول نگاروں کی طرح کہانی کے تسلسل کو رواں رکھنے کے لیے سطحی اور روایتی قسم کے کردار نہیں تراشے بلکہ ان کے ہاں جینوئن کرداروں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ عورت کے مسائل، اس کے حقوق اور ملک کی گرتی ہوئی داخلی شناخت میں بیرونی مداخلت کے گھمبیر مسائل پر ان کی گرفت بہت مضبوط دکھائی دیتی ہے۔

اکیسویں صدی کے نسائی اردو ناول میں دسیوں مزید ناول نگاروں کے نام آتے ہیں جنھوں نے سماج میں ہونے والی ناانصافیوں سے لے کر خانگی مسائل کے رونے سے آگے بڑھ کر نسائیت کے فلسفے کا پرچار کرنے تک قلم کا زور صرف کیا۔ ان خواتین ناول نگاروں میں عمیرہ احمد(پ:۱۹۷۰)، نمرہ احمد (پ:۱۹۹۰ء)، رفعت اقبال(پ:۱۹۷۲ء)، فرحت پروین(پ:۱۹۸۴ء)، ثریا بتول(پ:۱۹۸۲ء)، شاہدہ دلاور(پ:۱۹۷۹ء)، طاہرہ اقبال(پ:۱۹۸۶ء)اور آمنہ مفتی(پ:۱۹۷۸ء) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ان خواتین کے ناولوں میں زیادہ تر نسائیت زدہ فلسفے کی چھاپ دکھائی دیتی ہے تاہم ان کے پڑھے لکھے اور آسودہ حال گھرانوں سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ان کا شعور عالمی سطح پر ہونے والے رد عمل کو بھی مشاہدے کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اردو ادب کی جملہ اصناف جہاں عالمگیر تصور سے متاثر ہوئیں ہیں وہاں اردو ناول بھی اس اثر سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ خواتین ناول نگاروں نے مردوں کی نسبت زیادہ جذباتی انداز میں اس تاثر کو لیا ہے۔ خواتین کے ہاں سیاست سے دل چسپی کم ہونے کے پیشِ نظر بین الاقوامی سطح پر ہونے والے معاملات کو ناقدانہ انداز میں تجزیہ کرنے کا رجحان نسبتاً کم نظر آتا ہے لیکن سماجی، تہذیبی اور ثقافتی تناظر میں ان کی تحاریر میں بین الاقوامی تحریکوں کا اثر براہ راست محسوس کیا جاسکتا ہے۔ فرزانہ بشیر (پ:۱۹۸۴ء) لکھتی ہیں:

> " اردو ادب میں نئے رویوں، نظریوں اور مباحث کو متعارف کروانے اور مختلف ادبی تحریکات اور نظریات کے حوالے سے عالمگیریت نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اردو زبان و ادب میں بہت تیزی سے عالمگیر سطح پر سامنے آنے والی ادبی ابحاث کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ عالمگیریت کی وجہ سے نظریات، مثالیت، ادب و ثقافت اور تجارت و ایجادات میں کوئی ملک اب کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ نسل و قومیت کا فرق اب مٹ چکا۔ کوئی چیز اجنبی نہیں رہی۔ ہر شے پر عالمی اثرات کا غلبہ ہے اور پیش آمدہ حالات بھی اسی غلبے کے زیرِ اثر آتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔"(۱۳)

اکیسویں صدی اپنے ساتھ کئی محرکات لے کر آئی ہیں۔ ابھی ہم گلوبل ایج کی ہنگامہ خیزیاں دیکھ رہے ہیں اور عالمگیریت کے مالیاتی کساد بازاری کے تسلط کو اپنے نحیف کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اس سے آگے کیا ہوتا ہے اس کا کسی کو علم نہیں لیکن جو بھی ہو گا اس کا اثر اردو ادب پر ضرور ہو گا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) مولوی سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد سوم ا،(لاہور: الفصیل ناشران وکتب تاجر،۲۰۱۶ء)، ۱۸۷۴۔

(۲) یاسر ندیم، گلوبلائزیشن اور اسلام،(کراچی: دار الاشاعت، ۲۰۰۴ء)، ۶۰۔

(۳) یاسر ندیم، گلوبلائزیشن اور اسلام، ۶۰۔

(۴) ناصر عباس نیئر، مابعد جدیدیت ،(لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، سن ندارد)، ۳۱۸۔

(۵) ارشد محمود ناشاد، عالمگیریت کے اردو ادب پر اثرات۔ صورت حال اور تحفظات، مشمولہ ،عالمگیریت کے ثقافتی مضمرات اور ہمارے عصری تقاضے ،(فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۹ء)، ۶۲۔

(۶) عبد الستار نیازی، بدیسی ادب کے اردو تراجم اور عالمگیریت، مشمولہ، ثقافت اور ادب، شمارہ، ۱۳، نومبر ۲۰۰۵ء، ۹۰۔

(۷) محمد ساجد، ۹/ ۱۱ کے اردو افسانے پر اثرات،(لاہور: ندائے گل پبلی کیشنز، لاہور، سن، ندارد)، ۳۵۔

(۸) منو بھائی، منٹو کی پٹھی ،(لاہور: الحمر الاہور، شمارہ ۱۵ جنوری ۲۰۱۵ء)، ۱۲۰۔

(۹) الطاف فاطمہ، نشانِ منزل،(لاہور: دار البلاغ، سن ندار)، ۹۷۔

(۱۰) بانو قدسیہ، موم کی گلیاں،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ۴۳۔

(۱۱) سلمی اعوان، لہو، رنگ، فلسطین ،(جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۳ء)، ۶۳۔

(۱۲) فاطمہ حسن، آصف فرخی، خاموشی کی آواز، مشمولہ: ادب اور نسائیت،(کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، جون، ۲۰۱۸ء)، ۱۳۳۔

(۱۳) فرزانہ بشیر، اردو افسانے پر عالمگیریت کے اثرات، غیر مطبوعہ مقالہ،(اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۷ء)، ۱۴۳۔

BIBLIOGRAPHY

- Abdul Sattar Niazi, *Badesi Adab ky Urdu Tarajum Aur aalamgeereat*, (Saqafat Aura Dab, Lahore, 2005)
- Altaf Fatima, *Nishan e manzel*, (Lahore: Dar-ul-Balag)
- Arshad Mehmood Nashaad, *Aalamgeerat ke Urdu adab per asraat*, (Faisalabad: Missal Publisher, 2019)
- Bano Qdusea, *Mom ki Galyean*, (Lahore: Sang-e meel publication 2000)
- Farzana Bashir, *Urdu afsany per aalamgereat ke asraat*, (Islamabad:AIOU, 2017)
- Fatima Hassan, Asif Farkhi, *Khamoshi ki awaz*, (Karachi:Anjum e tarqi –e Urdu, 2018)

- Molvi Ahmed Saeed, *Farhang-e Asfia*, (Lahore:Al-Faisal Nashran-o-kuteb e tajir 2016)
- Muhammad Sajid, *11/9 ky Urdu Afsany par asraat*, (Lahore: Nidaye – Gul publication).
- Muno bhai, *Manto ki puthi*, (Lahore: Al-Hamra, 2015)
- Nasir Abbas Neyar, *Ma-baad-jadedeat*, (Lahore: Marghbi Academy).
- Salma Awan, *Lahor, rang palstene*, (Jehlam: Book Corner, 2023).
- Yasir Nadeem, *Globalization aur Islam*, (Karachi: Darul Ishaat 2004)

❖❖❖